خطبہ جمعہ

آج ہر ملک میں حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کے حق میں بڑے زور سے آوازیں اٹھ رہی ہیں

تہجد کی نماز کی عادت ڈالنی چاہئے اور اس میں استغفار سے کام لینا چاہئے، اس کے نتیجہ میں آپ اللہ کو بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا پائیں گے

خطبہ جمعہ ارشاد فرمودہ سیدنا امیرالمومنین حضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز- فرمودہ ۲۲رجون ۲۰۰۱ء ۲۲راحسان ۱۳۸۰ھ ہجری شمسی بمقام مسجد فضل لندن (برطانیہ)

(خطبہ جمعہ کا یہ متن ادارہ الفضل اپنی ذمہ داری پر شائع کر رہا ہے)

أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأشهد أن محمداً عبده و رسوله–
أما بعد فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم– بسم الله الرحمٰن الرحيم –
الحمدلله رب العٰلمين – الرحمٰن الرحيم – مٰلك يوم الدين – إياك نعبد و إياك نستعين –
اهدنا الصراط المستقيم – صراط الذين أنعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين–

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرَاتِ اَكْثَرُهُمْ لَايَعْقِلُوْنَ . وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ . وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾(سورۃ الحجرات آیات ۵،۶)

یقیناً وہ لوگ جو تجھے گھروں سے باہر سے آوازیں دیتے ہیں اکثر ان میں سے عقل نہیں رکھتے۔ اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ تو خود ہی ان کی طرف نکل آتا تو یہ ضرور ان کے لئے بہتر ہوتا اور اللہ بہت بخشنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔

ان آیات کریمہ میں ایسا واقعہ بیان ہوا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے زمانہ میں بارہا پیش آتا رہا ہے اور قرآن کریم کی یہ گواہیاں ایسی ہیں جن کے لئے کسی حدیث کی ضرورت نہیں کیونکہ قرآن کریم سے زیادہ قطعی یقینی گواہی اس زمانہ کی اور نہیں مل سکتی۔ چنانچہ کچھ لوگ ایسے تھے جو بد اخلاق اور بد تمیز تھے اور رسول اللہ ﷺ کو اپنے گھر سے خود باہر آنے سے پہلے آوازیں دے کے بلایا کرتے تھے کہ اے فلاں فلاں! یا رسول اللہ بھی کہتے ہونگے، آپ باہر تشریف لائیں یا باہر آجائیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس بد خلقی کو ناپسند فرماتا ہے۔ کہتا ہے کہ ہرگز محمد رسول اللہ ﷺ کو آوزیں دے کر باہر نہ بلایا کرو اور صبر سے انتظار کیا کرو یہاں تک کہ وہ خود باہر تشریف لے آئیں۔ اگر تم ایسا کرو گے تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ ﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور بار بار رحم فرمانے والا ہے۔ یعنی تمہاری ان بد تمیزیوں سے بھی اللہ تعالیٰ نے صرف نظر فرمایا ہے اور چاہتا ہے کہ تم پر پھر بھی رحم کرے اور پھر بھی تمہیں بخش دے اس لئے تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ آئندہ سے ان حرکتوں سے باز رہو۔

سورۃ الاحقاف کی دو آیات ہیں نمبر ۸ و ۹ ﴿وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ کہ جب ان پر اللہ تعالیٰ کی آیات یعنی اس کی نشانیاں کھلے کھلے طور پر پڑھی جاتی ہیں تو وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا حق کا، باوجود اس کے کہ وہ ان کے پاس آگیا، بعد اس کے کہ وہ حق ان کے اوپر ظاہر ہو گیا۔ انہوں نے کہا ﴿هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ یہ تو کھلا کھلا جادو ہے۔ کھلا کھلا جادو ان معنوں میں کہا ہے کہ ان کو یقین تھا کہ اس میں کوئی حیرت انگیز معجزہ ضرور ہے ورنہ کھلا کھلا جادو کیوں کہتے۔ کھلا کھلا جادو کہہ کر یہ اعتراف کر لیا کہ یہ چیز ہمارے بس کی نہیں، یہ مافوق الفطرت چیز نظر آرہی ہے، ہم یقین نہیں کریں گے، ہم تجھ پر ایمان نہیں لائیں گے۔

کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ اس نے اللہ تعالیٰ پر افتراء کر لیا ہے۔ اے محمد ﷺ تو ان سے کہہ دے کہ اگر مَیں نے افترا کیا ہوتا تو تم اگر میرے خلاف نہ بھی ہوتے بلکہ میرے ساتھ ہونے کا دعویٰ کرتے۔ اکثر مفتریوں کے ساتھ یہ معاملہ پیش آتا ہے جو خدا پر جھوٹ بولتے ہیں ان کے پیچھے ایک بڑی جمعیت ان کے ساتھ دینے والی ہوتی ہے۔ عرب میں جب ارتداد ہوا تو یہی واقعہ پیش آیا کہ خدا تعالیٰ پر افتراء کرنے والے کسی بنا پر افتراء کرتے ہیں ان کے ساتھ ایک بڑی جمعیت ہوتی ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ اس جمعیت کے زور سے ہم فتح پالیں گے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ تُو ان سے کہہ دے کہ تم بے شک میرا ساتھ نہ دو تمہیں میرے پیچھے آنے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ اگر مَیں نے جھوٹ بولا ہے تو اللہ خود مجھے ہلاک کرنے کے لئے کافی ہے۔

﴿فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا﴾ اور جب وہ ہلاک کرنے کا فیصلہ کر لے تو پھر تم اس کے مقابل پر میری کوئی بھی تائید نہیں کر سکتے، کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ ﴿هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ﴾ وہ بہتر جانتا ہے کہ جن باتوں میں تم پڑے ہوئے وقت ضائع کر رہے ہو۔ ﴿كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ﴾ وہی ایک گواہ کافی ہے میرے اور تمہارے درمیان۔ وہ ہم دونوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرے گا ﴿وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ یاد رکھو کہ وہ بہت بخشنے والا اور بار بار رحم فرمانے والا ہے۔ تو ان سب زیادتیوں کے باوجود بھی اگر تمہارے اندر اللہ تعالیٰ نے خیر پائی تو پھر تم سے رحمت کا سلوک فرمائے گا۔ یہ سورۃ الاحقاف کی ۸ تا ۹ آیات تھیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس ضمن میں فرماتے ہیں:

”محض الہام جب تک اس کے ساتھ فعلی شہادت نہ ہو ہرگز کسی کام کا نہیں۔ دیکھو جب کفار کی طرف سے اعتراض ہوا ﴿لَسْتَ مُرْسَلًا﴾ ”تُو خدا کی طرف سے بھیجا ہوا نہیں ہے۔“ تو جواب دیا گیا ﴿كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ﴾ ”کہ اللہ بہت کافی ہے میرے اور تمہارے درمیان گواہ کے طور پر ”یعنی عنقریب خدا تعالیٰ کی فعلی شہادت میری صداقت کو ثابت کر دے گی۔ پس الہام کے ساتھ فعلی شہادت بھی چاہئے“۔

اب بہت سے لوگ ہیں مختلف ملکوں میں جو اپنے الہامات مجھے لکھتے رہتے ہیں۔ یہاں تک بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم ہی ہیں اس زمانہ میں مسیح اور مہدی اور ان کو مَیں ہمیشہ یہی جواب دیتا ہوں کہ اس زمانہ کے مسیح اور مہدی کو جب خدا نے فرمایا تھا کہ تُو مہدی اور مسیح ہے تو اس کے ساتھ فعلی شہادتیں بھی تھیں۔ بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی کو خدا تعالیٰ نے ظاہر فرما دیا اور ان شہادتوں کا سلسلہ ابھی تک جاری و ساری ہے۔ ہر ملک میں غیر معمولی قوت اور شان کے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں آوازیں اٹھ رہی ہیں۔ وہ ایک صدا قادیان سے جو اٹھی تھی اب کروڑوں کی صورت میں سب دنیا سے اٹھ رہی ہے۔ مَیں ان کو یہی کہتا ہوں کہ ہوش کرو تمہاری تائید میں کیا ہے؟ کچھ بھی نہیں۔ صرف نفس کا دھوکہ ہے کہ ہمیں الہام ہوا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جب الہام کرتا ہے تو اس کی تائید میں پھر فعلی شہادتیں بھی ظاہر کرتا ہے۔

چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کی ایک چھوٹی سے مثال یہ دیتے ہیں کہ ”دیکھو گورنمنٹ جب کسی کو ملازمت عطا کرتی ہے تو اس کے وجاہت کے سامان بھی مہیا کر دیتی ہے۔ چنانچہ جو لوگ اس کا مقابلہ کرتے ہیں وہ توہین عدالت کے جرم میں گرفتار ہوتے ہیں۔ اسی طرح جو ماموران الٰہی کے مقابلہ پر آتے ہیں وہ ہلاک ہو جاتے ہیں۔ آج کل پچاس کے قریب ایسے ہیں جو اس مرض میں گرفتار ہیں“۔ یہ جو مرض ہے یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں بھی اسی طرح جاری تھی رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بھی جاری تھی کوئی جھوٹے مدعی خواہ وہ جان کر نہ بھی بولتے تھے تو ان کا نفس ان سے جھوٹ بولتا تھا اور ان کو بتاتا تھا کہ یہ الہام الٰہی ہے اور اس کے مطابق تم دعویٰ کر دو مگر وہ دعویٰ ان کے کسی کام نہ آیا۔ ایک جمعیت نے بھی ان کا ساتھ دیا مگر اس جمعیت کے ساتھ نے ان کو کوئی بھی فائدہ نہ پہنچایا اور وہ بالآخر ناکام و نامراد ہلاک ہو گئے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”یعنی اپنے قولی الہام پر بھروسہ رکھتے ہیں وہ سب غلطی پر ہیں۔ شیطان انسان کا سب سے بڑا دشمن ہے مگر خود مفتری بھی تو ایک شیطان ہے پس وہ اپنا آپ دشمن ہے اس لئے جلد ہلاک ہو جاتا ہے۔ کیسے ناعاقبت اندیش ہیں وہ لوگ جو ایسوں کے دامِ تزویر میں پھنس جاتے ہیں جس کے دعویٰ کے ساتھ عظمت و جلال ربانی کی چمک نہ ہو تو ایسے شخص کو تسلیم کرنا اپنے تئیں آگ میں ڈالنا ہے“۔

(بدر جلد ۶ نمبر ۱۷۔ ۲۵راپریل ۱۹۰۷ء صفحہ ۹)

سورۃ الحجرات کی پندرھویں آیت ہے ﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا . قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْآ اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ. وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْئًا. اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ یعنی بادیہ نشین کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں تو کہہ دے کہ تم ایمان نہیں لائے، صرف اتنا کہا کرو کہ ہم مسلمان ہو چکے ہیں۔ دوسری طرف ایک اور آیت میں ہے کہ تم ایمان نہیں لائے، ایمان نے تمہارے دل میں جھانک کر بھی نہیں دیکھا۔ اس کے باوجود ان کو اجازت ہے کہ وہ اسلام کا دعویٰ کریں کہ ہم اسلام لے آئے۔ یعنی اپنے آپ کو مسلمان بے شک کہتے رہیں۔ اب اللہ تعالیٰ کی گواہی یہ ہے کہ اگر کوئی اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے تو کسی کو حق نہیں ہے کہ اس کو مسلمان کہلانے سے روک دے۔ مانیں یا نہ مانیں یہاں تک کہ ان کے دل پہ ایمان نے جھانک کر بھی نظر نہیں ڈالی ہو تب بھی ان کا یہ حق ہے کہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے رہیں۔ یہ اللہ کی طرف سے عطا کردہ وہ حق ہے جسے کوئی دنیا کی طاقت چھین نہیں سکتی۔ اور اسلام کا دوسرا مطلب ہے اطاعت، تو دوسرے لفظوں میں یہ کہتے ہیں کہ ہم اطاعت تو کر چکے ہیں یعنی ہم مان گئے ہیں کہ ہم پر غلبہ ہو گیا ہے اب ہم مجبور ہیں ہماری اس مجبوری کا نام اطاعت ہے۔ اگر تم اللہ اور رسول کی اطاعت کرو واقعۃً تو تمہارے اعمال میں سے کچھ بھی کم نہیں کیا جائے گا ﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔ یعنی ان سب بے ایمانیوں اور دھوکوں کے باوجود ان میں سے بھی ایسے لوگ تھے جو بالآخر سچے دل سے ایمان لے آئے اور بادیہ نشینوں میں سے ایسے بہت سے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بار بار مغفرت اور رحیمیت کا سلوک اس لئے ہوتا ہے تاکہ ان کو آج نہیں تو کل موقع ملتا چلا جائے اور وہ خدا تعالیٰ کی رحیمیت سے استفادہ کر سکیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

"خدا جو مومنوں کی تعریف کرتا ہے اور ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ کہتا ہے" کہ اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔ "اس لئے کہ انہوں نے اپنی فراست سے پہلے رسول اللہ ﷺ کو مان لیا لیکن جب کثرت سے لوگ داخل ہونے لگے اور انکشاف ہو گیا اس وقت داخل ہونے والے کا نام النّاس رکھا گیا یعنی جب غلبۂ اسلام ہو گیا اب ان کے پاس چارہ ہی نہیں تھا اطاعت کے سوا تو اس وقت کے وہ لوگ جو ایمان لائے تھے ان کو الناس کہا گیا۔

"اس حالت میں تو گویا منع کرتا ہے یہ کہہ کر ﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا . قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْآ اَسْلَمْنَا﴾ یعنی یہ مت کہو کہ ہم ایمان لائے بلکہ یہ کہو کہ ہم نے اطاعت کی"۔ یہاں اَسْلَمْنَا سے مراد اطاعت ہے یعنی اس موقع پر دوسرے معنے اس کے یہ ہونگے کہ وہ صرف یہ کہیں کہ ہم اطاعت کر چکے ہیں۔ ان کو کہو ٹھیک ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ "ایمان اس وقت ہوتا ہے جب ابتلا کے موقعے آویں۔ جن پر ایمان لانے کے بعد ابتلا کے موقعے نہیں آئے وہ اَسْلَمْنَا میں داخل ہیں" یعنی سچے مسلمان تو بہر حال نہیں لیکن ابتلا نہیں آیا تو اتنا ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ انہوں نے غلبۂ اسلام کو دیکھ کر سر اطاعت جھکا دیا۔ "انہوں نے تکلیف کا نشانہ ہو کر نہیں دیکھا"۔ انہوں نے اس وقت قبول نہیں کیا جب قبول کرنے کے جرم میں طرح طرح کی خطرناک سزائیں دی جاتی تھیں "بلکہ وہ اقبال اور نصرت کے زمانہ میں داخل ہوئے" جب اسلام پر اقبال آ گیا سر بلندی ہو گئی اور خدا نے اس کی نصرت کے وعدے پورے کر دئے تب وہ داخل ہوئے۔ "یہی وجہ ہے کہ فخر کا نام اور خطاب ان کو نہ ملا بلکہ اَلنَّاس ان کا نام رکھا کیونکہ وہ ایسے وقت داخل ہوئے جب کام چل پڑا اور رسول اللہ نے اپنی صداقت کی روشنی دکھلائی۔ اس وقت دوسرے مذاہب حقیر نظر آئے تو سب داخل ہو گئے"۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۳۶۔ ۱۰/اکتوبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۱۶)

اب یہ اَسْلَمْنَا جو ہے اس کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مزید فرماتے ہیں کہ اَسْلَمْنَا کا تعلق دراصل لاٹھی سے ہے۔ جب غلبہ اسلام ہو گیا اور اسلام کو لاٹھی مل گئی تو اس وقت انہوں نے اَسْلَمْنَا کہہ دیا۔ اٰمَنَّا نہیں کہہ سکتے تھے کیونکہ دل میں ان کے منافقت تھی اور ایمان نہیں لائے تھے۔ فرمایا "ایمان کے لوازم اور ہوتے ہیں اور اسلام کے اور۔ اسی لئے خدا تعالیٰ نے اس وقت ایسے لوازم پیدا کئے کہ جن سے ایمان حاصل ہو"۔ (البدر جلد دوم نمبر ۱۹۔ ۲۹/مئی ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۴۷)

اب اس موقع پر یہ کیا مطلب ہے؟ "ایمان کے لوازم اور ہوتے ہیں اور اسلام کے اور" یہاں اسلام سے مراد سچا اسلام نہیں بلکہ ظاہری طور پر قبول کر لینا ہے۔ "اسی لئے خدا تعالیٰ نے ایسے لوازم پیدا کئے کہ جن سے ایمان حاصل ہو"۔ تو ان کے لئے ایسے لوازم ظاہر کئے، ایسی نشانیاں ظاہر فرمائیں، ایسی تائیدات ربی رسول اللہ ﷺ کے حق میں نازل فرمائیں کہ اس کے نتیجہ میں ان کے دل بالآخر، ان میں سے جو صحیح سعادت مند تھے قبول کرنے پر مجبور ہو گئے اور اس طرح اسلام بالآخر ایمان پر منتج ہو گیا۔

سورۃ الحدید کی ایک ۲۹ویں آیت ہے ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ . وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾۔ اس کا سادہ ترجمہ یہ ہے کہ اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ وہ تمہیں اپنی رحمت میں سے دوہرا حصہ دے گا اور تمہیں ایک نور عطا کرے گا جس کے ساتھ تم چلو گے اور تمہیں بخش دے گا۔ اور اللہ بہت بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

یہاں سچی اطاعت رسول کی تعریف فرمائی گئی ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے رسول کی سچے دل سے اطاعت کرتے ہیں وہ محض منہ کی اطاعت نہیں ہوتی بلکہ اس کے نتیجہ میں اس کی جزا کے طور پر ان کو نور دیا جاتا ہے۔ یہ نور کیا ہے اس کی تفصیل حضرت مسیح موعودؑ کے الفاظ میں بیان کرتا ہوں۔ فرمایا:

"تمہیں ایک نور عطا کیا جائے گا جو تمہارے غیر میں ہرگز نہیں پایا جائے گا یعنی نور الہام اور نور اجابتِ دعا اور نورِ کراماتِ اصطفاء" (آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۲۹۶)۔ یہ تین معنے ہیں نور کے۔ یعنی ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ الہام بھی کرتا ہے اور ان الہامات کی پھر عملی تائید بھی فرماتا ہے۔ نورِ اجابتِ دعا، ان کی دعائیں مقبول ہوتی ہیں اور کثرت کے ساتھ اس وقت احمدیوں میں بھی ایسے ہیں جن کی دعائیں اللہ تعالیٰ کے فضل سے مقبول ہوتی ہیں۔ اور نورِ کراماتِ اصطفاء اور جو مصطفیٰ لوگ ہیں، مصطفیٰ ہیں بندے خدا کے، ایسے جن کو خدا نے قبول فرما لیا ان کے اندر سے کرامات ظاہر ہوتی ہیں۔ جن کو عام لوگ اولیاء کی کرامتیں کہتے ہیں حالانکہ وہ کرامتیں بڑے بڑے اولیاء کی نہیں بلکہ خدا کے سادہ بندوں کی کرامتیں ہوتی ہیں جو عاجز اور منکسر مزاج بندے ہوتے ہیں ان کے حق میں اللہ تعالیٰ اپنی کرامتیں ضرور ظاہر کیا کرتا ہے۔

فرمایا: "اے ایمان لانے والو اگر تم متقی ہونے پر ثابت قدم رہو اور اللہ تعالیٰ کے لئے اتقاء کی صفت میں قیام اور استحکام اختیار کرو تو خدا تعالیٰ تم میں اور تمہارے غیر میں ایک فرق رکھ دے گا"۔ اب وہ علامت کیا ہے تم میں اور غیروں میں فرق رکھ دے گا۔ یہ خیال غلط ہے کہ پھر تمہارے غیر بھی تم جیسے ہی رہیں گے۔ تو کیا فرق ہے۔ "وہ فرق یہ ہے کہ تم کو ایک نور دیا جائے گا جس نور کے ساتھ تم اپنی راہوں میں چلو گے"۔ وہ نور کی راہیں کونسی ہیں یعنی ان کو صاف صاف رستہ ہر بات میں دکھائی دے گا کہ یہ صحیح رستہ ہے چلنے والا، یہ نہیں ہے۔ کیونکہ روشنی میں جب انسان چلتا ہے تو رستہ کی ٹھوکروں کو دیکھتا جاتا ہے اور جانتا ہے کہ کن جگہوں سے مجھے بچنا چاہئے، اندھیرے میں چلے تو کچھ پتہ نہیں چلتا کسی نہ کسی جگہ وہ حادثہ کا شکار ہو جاتا ہے تو فرمایا اس پہلو سے وہ نور تمہارے ساتھ ساتھ چلے گا۔ تم اپنی راہوں کو اس نور کی وجہ سے دیکھو گے اور صاف تمہیں جیسے دن چڑھا ہو دکھائی دے دے گا کہ رستہ کی روکیں کون سی ہیں اور رستے کی ٹھوکریں کیا ہیں۔

"یعنی وہ نور تمہارے تمام افعال اور اقوال اور قویٰ اور حواس میں آ جائے گا۔ تمہاری عقل میں بھی نور ہو گا اور تمہاری ایک اٹکل کی بات میں بھی نور ہو گا"۔ یعنی جس طرح اٹکل سے لوگ کہہ دیتے ہیں کہ اس طرح ہو گا وہ بھی نور ہو گا اور بغیر سوچے سمجھے، بغیر غور کئے ایک ان کے منہ سے بات اتفاقاً نکل جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی سچا کر دکھاتا ہے۔ "اور تمہاری آنکھوں میں بھی نور ہو گا اور تمہارے کانوں اور تمہاری زبانوں اور تمہارے بیانوں اور تمہاری ہر ایک حرکت اور سکون میں نور ہو گا اور جن راہوں میں تم چلو گے وہ راہیں نورانی ہو جائیں گی۔ غرض جتنی تمہاری راہیں، تمہارے قویٰ کی راہیں، تمہارے حواس کی راہیں ہیں وہ سب نور سے بھر جائیں گی اور تم سراپا نور میں ہی چلو گے۔ اب اس آیت سے صاف ظاہر و ثابت ہوتا ہے کہ تقویٰ سے جاہلیت ہرگز جمع نہیں ہو سکتی۔ ہاں فہم اور ادراک حسب مراتب تقویٰ کم و بیش ہو سکتا ہے"۔ یعنی تقویٰ اگر ذرا سا کم ہو تو اسی نسبت سے فہم اور ادراک کم ہو سکتا ہے۔ تقویٰ زیادہ ہو تو زیادہ بھی ہو سکتا ہے لیکن متقی خواہ ادنیٰ درجہ کا ہو اس کے ساتھ جاہلیت جمع نہیں ہو سکتی۔ "ہاں فہم اور ادراک حسب مراتب تقویٰ کم و بیش ہو سکتا ہے۔ اسی مقام سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ بڑی اور اعلیٰ درجہ کی کرامت جو اولیاء اللہ کو دی جاتی ہے جن کو تقویٰ میں کمال ہوتا ہے وہ یہی دی جاتی ہے کہ ان کے تمام حواس اور عقل اور فہم اور قیاس میں وہ نور رکھا جاتا ہے اور ان کی قوت کشفی نور کے پانیوں سے ایسی صفائی حاصل کر لیتی ہے کہ جو دوسروں کو نصیب نہیں ہوتی۔ ان کے حواس نہایت باریک بین ہو جاتے ہیں اور معارف اور دقائق کے پاک چشمے ان پر کھولے جاتے ہیں اور فیض سائغ ربانی ان کے رگ و ریشہ میں خون کی طرح جاری ہو جاتا ہے"۔ (آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۱۷۷۔۱۷۹)

سورۃ المجادلہ کی تیرھویں آیت ہے ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً. ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ . فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾۔ یعنی اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب رسول سے کوئی ذاتی مشورہ کرنا چاہو تو اپنے مشورہ سے پہلے صدقہ دے

دیا کرو۔ یہ بات تمہارے لئے بہت ہی بہتر ہے اور زیادہ پاکیزہ ہے۔ پس اگر تم اپنے پاس کچھ نہ پاؤ تو یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔ یعنی مشورہ کرو اور صدقہ دینے کے لئے کچھ بھی پاس نہ ہو تو بالکل فکر کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ مغفرت کا سلوک فرمائے گا اور بار بار تم پر بہ رحمت رجوع فرمائے گا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ اس آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں:

"﴿فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰکُمْ﴾ یہ حکم منسوخ نہیں ہوا"۔ یعنی یہ ایسا حکم نہیں ہے جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں جاری تھا اب نہیں ہے۔ فرمایا "﴿فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰہُ عَلَیْکُمْ﴾ (المجادلہ: ۱۴) یعنی پہلے ہی اللہ رجوع برحمت کر چکا ہے تم پر کہ یہ حکم واجب نہ ٹھہرایا بلکہ مستحب ہے"۔ رجوع برحمت کس طرح ہوا۔ اس طرح کہ ﴿فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰہُ عَلَیْکُمْ﴾ اگر تم ایسا نہ کر سکو تو یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ تو پہلے ہی تم پر رجوع برحمت کر چکا ہے اس طرح کہ یہ حکم واجب نہ ٹھہرایا بلکہ مستحب ہے یعنی رحمت یہ فرمائی کہ یہ نہیں فرمایا کہ ضرور صدقہ دو ورنہ تمہیں نقصان پہنچے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مستحب قرار دیا خَیْرٌ لَّکُمْ کہہ کے۔ تو تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم صدقہ دے سکو۔ یعنی مستحب تھا تو فرمایا بہتر ہے، ورنہ فرماتا فرض ہے تم پر۔ "چنانچہ اب بھی صلحاء امت حدیث پوچھنے سے پہلے صدقہ کر لیتے ہیں" (تشحیذالاذہان جلد۸ نمبر ۹ صفحہ ۳۸۳)۔ یعنی حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تجربہ یہ تھا کہ بہت سے صلحاء جب آپ سے کسی حدیث کے معنے پوچھتے تھے تو اس بات سے پہلے بھی وہ صدقہ دے دیا کرتے تھے۔

ایک سورۃ الممتحنہ کی آٹھویں آیت ہے ﴿عَسَی اللّٰہُ اَنْ یَّجْعَلَ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَ الَّذِیْنَ عَادَیْتُمْ مِنْھُمْ مَّوَدَّۃً. وَاللّٰہُ قَدِیْرٌ. وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾۔ قریب ہے کہ اللہ تمہارے اور ان میں سے ان لوگوں کے درمیان جن سے تم باہمی عداوت رکھتے ہو محبت ڈال دے۔ ایسا ہوتا رہا ہے اور اب بھی ہو رہا ہے اور آئندہ بھی ہوتا چلا جائے گا کہ جن سے لِلّٰہ عداوت ہو اللہ اپنے فضل سے ان کے درمیان اور تمہارے درمیان محبت ڈال سکتا تھا، ڈالتا تھا اور آئندہ بھی ڈالتا رہے گا کیونکہ اللہ ہمیشہ قدرت رکھنے والا ہے اس کی قدرتیں ختم نہیں ہو چکیں۔ وہ جو چیز کرنا چاہے اس پر قدرت رکھتا ہے، رکھتا تھا اور آئندہ بھی رکھے گا اور یہ صفت بھی اللہ تعالیٰ کی ہمیشہ جاری و ساری ہے کہ وہ بہت بخشنے والا اور بار بار رحم فرمانے والا ہے۔

اب ایک بہت ہی تنبیہ والی آیت ہے جو مومنہ عورتوں سے بیعت کے وقت رسول اللہ ﷺ الفاظ فرمایا کرتے تھے اس آیت میں وہ الفاظ بیان فرمائے گئے ہیں۔

﴿یٰۤاَیُّھَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَکَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَکَ عَلٰۤی اَنْ لَّا یُشْرِکْنَ بِاللّٰہِ﴾۔ اگر تیرے پاس مومنات آئیں اور یہ عہد کریں، اس بات پر بیعت کریں کہ وہ کبھی اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں ٹھہرائیں گی وَلَا یَسْرِقْنَ اور چوری نہیں کریں گی۔ اب یہ عجیب بات ہے کہ یہاں عورتوں کی بیعت میں چوری نہ کرنے کا عہد ہے اور مردوں کی بیعت میں یہ عہد نہیں ہے۔ یہ کیا وجہ ہے۔ وجہ یہ ہے کہ عورتوں کو گھر میں خاوندوں کی چھوٹی چھوٹی چوریاں کرنے کی عادت ہوتی ہے اور وہ سمجھتی ہیں کہ یہ کوئی گناہ نہیں ہے۔ تو اللہ تعالیٰ دلوں کے حال جانتا تھا اور وہ جانتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ چوریاں تم چھوٹی موٹی کرتی رہتی ہو یہ بھی عہد کرو کہ یہ چوریاں بھی نہیں کرو گی۔ جو کچھ گھر میں بچاؤ گی خاوند کو بتا کے بچاؤ گی۔

وَلَا یَزْنِیْنَ اور زنا نہیں کریں گی ﴿وَلَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَھُنَّ﴾ اور اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی۔ یعنی اپنی اولاد کو قتل کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ سچ مچ ذبح کر دیں۔ مطلب یہ ہے کہ لاڈ اور پیار زیادہ کر کے ان کو گمراہ نہیں کریں گی۔ یہ نہیں ہوگا کہ لاڈ اور پیار کے ذریعہ وہ ہلاک ہو جائیں اور اس کے نتیجہ میں پھر وہ تمہارے ہاتھ سے بھی نکل جائیں، تمہارے پاؤں تلے سے جنت لینے کی بجائے جہنم لے لیں اور اس کے سوا ﴿وَلَا یَاْتِیْنَ بِبُھْتَانٍ﴾ اور یہ بھی شاید عورتوں میں زیادہ عادت ہے کہ دوسری عورتوں پر بہتان باندھ دیتی ہیں۔ فرمایا یہ بھی عہد کریں کہ بہتان نہیں باندھیں گی۔ بہتان سے کیا مراد ہے ﴿یَفْتَرِیْنَہٗ بَیْنَ اَیْدِیْھِنَّ وَاَرْجُلِھِنَّ﴾ وہ اپنے ہاتھ پاؤں کے سامنے نئی بات گھڑ لیں حقیقت سے اس کا کوئی تعلق بھی نہ ہو۔

﴿وَلَا یَعْصِیْنَکَ فِیْ مَعْرُوْفٍ﴾ اور معروف کام میں تیری اطاعت کریں گی اور تیری نافرمانی نہیں کریں گی۔ اگر یہ عہد کریں ﴿فَبَایِعْھُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَھُنَّ اللّٰہَ﴾ ان کی بیعت لے لیا کر اور ان کے لئے استغفار کر۔ ﴿اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

یہ جو معروف والا مسئلہ ہے یہ ایسا ہے جو مردوں کی بیعت میں بھی لیا جاتا ہے۔ ہم معروف کام میں انکار نہیں کریں گے۔ یہ بھی سمجھانے والی بات ہے کہ معروف کیا چیز ہے۔ قرآن کریم نے تمام حرام کھول کر بیان کر دئے ہیں، تمام طیّبات کھول کر بیان کر دئے ہیں۔ وہ معروف اپنی ذات میں تو ہیں ہی لیکن یہاں لفظ معروف سے یہ مراد نہیں ہے۔ مراد یہ ہے کہ ان تمام قرآنی احکام اور سنتوں کے علاوہ اگر تمہارا امام تمہیں کوئی حکم دے جو عرف عام میں اچھا ہو اور ضروری نہیں کہ عین شریعت کے مطابق تمہیں دکھا سکے کہ فلاں جگہ یہ حکم ہے تب بھی تم اطاعت کرو۔ اگر ایسا کرو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر بار بار رحم فرمائے گا۔

اور اس کا ذکر ایک حدیث میں بھی آتا ہے جسے حضرت اُمَیْمَہ بِنْت رُقَیْقَہ بیان کرتی ہیں۔ کہتی ہیں کہ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں کچھ انصاری عورتوں کے ساتھ بیعت کے لئے حاضر ہوئی۔ ہم عورتوں نے کہا یا رسول اللہ ہم آپ کی بیعت کرتی ہیں اس بات پر کہ خدا تعالیٰ کا کسی چیز کو بھی شریک نہیں قرار دیں گی، چوری نہیں کریں گی، زنا نہیں کریں گی اور نہ ہی جانتے بوجھتے ہوئے ہم بہتان طرازی کریں گی اور معروف باتوں میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ بھی کہو کہ جس حد تک تم استطاعت اور طاقت رکھو گی اس حد تک۔

اب یہ الفاظ وہ ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اپنی بیعت میں داخل فرمائے ہیں اور بہت اہم ہیں ورنہ بیعت کرنے کی کسی کو جرأت ہی نہ ہو کیونکہ بیعت کے بعد کئی کمزوریاں ظاہر ہو جاتی ہیں اور انسان عہد بیعت پر قائم نہیں رہ سکتا۔ پھر توبہ کرتا ہے پھر توڑ دیتا ہے تو اس لئے اس کی بیعت تو اسی وقت ختم ہو گئی جب بظاہر اس نے اپنی توبہ کو چھوڑ دیا اور دوبارہ اس گناہ کا ارتکاب کیا جس سے توبہ کی تھی۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے فرمایا کہ دیکھو یہ کہا کرو جس حد تک ہمیں استطاعت ہو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس حد تک ہم توبہ کریں گے۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی الفاظ بیعت میں استطاعت کی شرط رکھ دی ہے۔ جس حد تک توفیق ہو گی اس حد تک ہم یقینی کوشش کریں گے، دیانتداری سے کوشش کریں گے کہ ان گناہوں کا ارتکاب نہ کریں۔

جب رسول اللہ ﷺ کی بیعت کے لئے خواتین نے ہاتھ بڑھائے تو آپؐ نے فرمایا میں عورتوں سے ہاتھ نہیں ملاتا۔ میرا سو (۱۰۰) عورتوں کو ایک بات کہنا ایسا ہی ہے جس طرح کہ ایک عورت کو کچھ کہا ہو (سنن نسائی کتاب البیعة باب بیعةالنساء)۔ تو مطلب یہ ہے کہ جو بھی میں الفاظ دہراتا ہوں تم دہرا چکی ہو اور خواہ تم ایک ہو یا سینکڑوں ہو تم سب کے لئے وہی الفاظ کافی ہیں اور الفاظ 'میں ہاتھ نہیں بڑھاتا'۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی سنت تھی کہ غیر عورتوں سے ہاتھ نہیں ملایا کرتے تھے۔ اور اس کے نتیجہ میں بعض لوگوں میں یہ رواج ہی پڑ گیا ہے بعض شیعہ فرقوں میں ایسا رواج ہے کہ وہ اپنا کپڑا آگے کر دیتے ہیں اور عورتیں اس کپڑے کو پکڑ لیتی ہیں گویا یہ تعلق قائم ہو گیا مگر اس کی بھی ضرورت نہیں ہے زبانی بیعت بہت کافی ہے۔ اور بعض دفعہ میں بھی ایسا کرتا ہوں کہ اگر عورتوں کا دل چاہے ہاتھ ملانے کا تو میں اپنی کسی بچی کا ہاتھ پکڑ لیتا ہوں اس بچی کا ہاتھ دوسری عورتیں پکڑ لیتی ہیں اس طرح انہیں ایک ظاہری رشتہ کی تسکین مل جاتی ہے کہ ہمارا ایک ظاہری رشتہ بھی ہو گیا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ فرماتے ہیں:

"حضرت صاحب نے بھی شرائط بیعت میں طاعت در معروف لکھا ہے اس میں ایک سرّ ہے" (بدر ۲۱/اکتوبر ۱۹۰۹ء)۔ وہ سرّ کیا ہے وہ میں بیان کر چکا ہوں کہ جب امام جس کی تم نے بیعت کی ہوئی ہے ایسی بات کا کوئی حکم دے جو یقینی طور پر شریعت اور سنت میں سے دکھا نہ سکے کہ یہاں حکم ہے لیکن اچھی بات ہو تو اس اچھی بات پر بھی عمل کیا کرو۔

ایک اور آیت ہے سورۃ التغابن کی ﴿یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَاَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ فَاحْذَرُوْھُمْ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ یعنی اے لوگو جو ایمان لائے ہو یقیناً تمہارے ازواج میں سے اور تمہاری اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں۔ یاد رکھو سب دشمن نہیں ہیں مگر اولاد میں سے اور ازواج میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں جن کی محبت میں تم اللہ کے احکامات بھلا دیتے ہو اور ان کے پیار میں خود اپنے نفس پر زیادتی کرتے ہو۔ پس ایسے دشمنوں سے بچ کر رہو یعنی ان عورتوں اور بچوں کی لاڈ کی وجہ سے تربیت خراب نہ کرو اور ان سے بچ کر رہو۔ اور اگر کوئی ان سے غلطی سرزد ہوتی ہے تو عفو سے کام لیا کرو اور درگزر کیا کرو اور معاف کر دیا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ بھی تو بہت بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔ پس تم اپنی اولاد سے اور اپنی بیویوں سے ایسا سلوک کرو گے تو اللہ کی رحمت کے امیدوار رہنا۔ تو خدا تعالیٰ بھی تمہیں معاف فرمادے گا۔

ایک آیت ہے قرآن کریم کی لمبی آیت ﴿اِنَّ رَبَّکَ یَعْلَمُ اَنَّکَ تَقُوْمُ اَدْنٰی مِنْ ثُلُثَیِ الَّیْلِ وَنِصْفَہٗ وَثُلُثَہٗ وَطَآئِفَۃٌ مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَکَ. وَاللّٰہُ یُقَدِّرُ الَّیْلَ وَالنَّھَارَ. عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْہُ فَتَابَ عَلَیْکُمْ فَاقْرَءُ وْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ. عَلِمَ اَنْ سَیَکُوْنُ مِنْکُمْ مَّرْضٰی وَاٰخَرُوْنَ یَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ یَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ وَاٰخَرُوْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ. فَاقْرَءُ وْا مَا تَیَسَّرَ مِنْہُ. وَاَقِیْمُوْا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُو الزَّکٰوۃَ وَاَقْرِضُوْا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا. وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِکُمْ مِّنْ خَیْرٍ تَجِدُوْہُ عِنْدَاللّٰہِ ھُوَخَیْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا. وَاسْتَغْفِرُوْا اللّٰہَ. اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ (المزمل:۲۱)۔ ایک لمبی آیت ہے اس کے آخر پر غفور رحیم آتا ہے لیکن جب تک پہلے سارا مضمون بیان نہ کیا جائے اس وقت تک غفور رحیم پڑھنے کے موقع کی سمجھ نہیں آئے گی۔ اور یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو ویسے بھی تمام مومنوں کو معلوم ہونا چاہئے کیونکہ ان کو پتہ چلنا چاہئے کہ تہجد کا وقت کتنا ہوتا ہے، کب پڑھنی چاہئے اور یہ بھی پتہ ہونا چاہئے کہ دن رات بدلتے رہتے ہیں اس کے لحاظ سے تہجد کا وقت کبھی لمبا بھی ہو سکتا ہے کبھی چھوٹا بھی ہو سکتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یقیناً تیرا رب جانتا ہے کہ تو دو تہائی رات کے قریب یا اس کا نصف یا اس کا تیسرا حصہ کھڑا رہتا ہے۔ دو تہائی رات کی، بہت لمبا عرصہ ہے تہجد کا۔ یا اس کے قریب یا اس کا نصف یا اس کا تیسرا حصہ کھڑا رہتا ہے۔ اب دراصل یہ دن رات کے بدلنے کی وجہ سے ایسا ہوتا تھا۔ جو گرمیوں کی راتیں چھوٹی ہوتی ہیں اور دن لمبے ہوتے ہیں ان راتوں میں دو تہائی بھی بہت ہوتا ہے یعنی دو تہائی کھڑا ہونا جب راتیں چھوٹی ہوں واقعۃً انسان کھڑا ہو سکتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صحابہ بھی تھے جو ایسا ہی کرتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ رات اور دن کو گھٹاتا بڑھاتا رہتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ تم ہرگز اس طریق کو نبھا نہیں سکو گے یعنی تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی طرح اتنی مشقت نہیں کر سکو گے جیسی وہ مشقت اپنے اوپر ڈالتا ہے۔ پس وہ تم پر عفو کے ساتھ جھک گیا ہے۔ پس قرآن میں سے جتنا میسر ہو پڑھ لیا کرو۔ وہ جانتا ہے کہ تم میں سے مریض بھی ہونگے اور دوسرے بھی جو زمین پر اللہ کا فضل چاہتے ہوئے سفر کرتے ہیں۔ اب سفر کی حالت کے تہجد اور ہیں، عام دنوں میں گھروں میں انسان بیٹھا ہو تو اس کے تہجد کچھ اور ہیں۔ اور کچھ اور بھی جو خدا کی راہ میں قتال کریں گے۔ اب جہاد کے وقت کا تہجد پڑھنا بالکل اور مضمون ہے۔ پس اس میں سے جو میسر آئے یعنی قرآن کریم میں سے جس حد تک بھی میسر آئے پڑھ لیا کرو اور نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ کو قرضۂ حسنہ دو۔

قرضۂ حسنہ کی اللہ تعالیٰ کو کیا ضرورت ہے۔ قرضۂ حسنہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ کی خاطر اپنے پاک مال میں سے اس کی راہ میں غریبوں اور دوسرے انسانوں کو اس طرح ادا کرو جس طرح اس نے ادا کرنے کا حکم فرمایا ہے اس کو قرضہ حسنہ کہتا ہے۔ اب قرضۂ حسنہ پر سود نہیں ہوتا لیکن جو اللہ تعالیٰ کو قرض دیا جائے وہ حسنہ کی نیت سے دینا چاہئے، اس نیت سے نہیں دینا چاہئے کہ اس کو خدا تعالیٰ بڑھا دے گا۔ مگر جب دو گے تو تم دیکھو گے کہ اللہ تعالیٰ کو بہت بہتر اور اجر کے لحاظ سے عظیم تر پاؤ گے۔ وہ باوجود اس کے کہ شرط نہیں کی ہوئی کہ میں اس کو بڑھاؤں گا مگر ویسے مومنوں سے وعدہ کیا ہوا ہے یعنی مومن اس شرط سے نہیں دیتا کہ وہ بڑھائے گا مگر اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ تم مجھے دو میں اپنے فضل اور رحمت کے نتیجہ میں تمہارے لئے بہت بڑا اجر مترتب کروں گا۔ پس اللہ سے بخشش طلب کرو یقیناً اللہ بہت بخشنے والا اور بار بار رحم فرمانے والا ہے۔

پس بخشش طلب کرنا دراصل تہجد کی نماز کے استغفار سے تعلق رکھتا ہے اور دن بڑے ہوں یا چھوٹے ہوں، راتیں لمبی ہوں یا چھوٹی ہوں، تہجد کی نماز کی عادت ڈالنی چاہئے اور اس میں استغفار سے کام لینا چاہئے اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کو آپ ہمیشہ بہت بخشنے والا اور بار بار رحم فرمانے والا پائیں گے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”حدیث شریف میں ہے کہ ”طُوبٰی لِمَنْ وَجَدَ فِی صَحِیْفَتِہٖ اِسْتِغْفَارًا کَثِیْرًا خوشخبری ہو اس کے لئے جس نے اپنے نامۂ اعمال میں استغفار کو کثرت سے پایا۔ ....استغفار کے معنے ہوئے حفاظت طلب کرنا گناہوں سے اور اس کے بدنتائج سے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے استغفار کے یہی معنے ہیں“ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۸؍مارچ ۱۹۱۲ء)۔ یہ معنی نہیں ہیں کہ آپ نعوذ باللہ من ذلک گنہگار تھے اس لئے آپ کو بار بار استغفار کرنا پڑتا تھا بلکہ معنے یہ ہیں کہ اے اللہ جس طرح پہلے تو نے مجھے گناہوں سے پاک رکھا ہے آئندہ زندگی میں بھی ہمیشہ مجھے گناہوں سے پاک رکھنا یعنی میرے گناہ مجھے چھو بھی نہ سکیں۔

پچھلی دفعہ گفتگو بہت لمبی ہو گئی تھی۔ اس دفعہ میں نے باقی رحیمیت کا مضون دو حصوں میں تقسیم کر لیا ہے۔ ایک حصہ اب ہے ایک حصہ انشاء اللہ اگلے جمعہ میں بیان کیا جائے گا اس کے بعد رحمانیت کے اوپر پھر دوبارہ کچھ کہنا پڑے گا کیونکہ مَیں نے پہلے رحمانیت کا ذکر مختصر کیا تھا اب ان آیات کا دوبارہ ذکر کروں گا جو پہلے بیان نہیں ہوئیں۔ بہرحال اللہ تعالیٰ توفیق دے گا تو انشاء اللہ یہ مضمون بہت لمبے عرصہ تک جاری و ساری رہے گا۔ ابھی تو صرف رحیمیت پر بات ہو رہی ہے۔ خدا تعالیٰ کی صفات میں سے کم سے کم ننانوے نام ہیں تو اندازہ کریں کہ یہ مضمون کتنا لمبا ہوگا۔ آئندہ خلفاء کو بھی خدا تعالیٰ توفیق عطا فرمائے گا تو اسی مضمون کو آئندہ جاری رکھیں گے۔

۞۞۞۞......۞۞۞......۞۞۞۞